© rasailojaraid.com

دوسری قسط :

اجتہاد اور اصول اجتہاد

اجتہاد اور تبدیلئ احکام

مولانا مجیب اللہ ندوی

جامعۃ الرشاد،رشادنگر انڈیا

کتاب ،سنت،فقہ اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کی روشنی میں

۱:سفر:

یعنی سفر میں بعض احکام کی بجا آوری میں جو سہولت دی گئی ہے اس کی دو صورتیں ہیں ۔ایک یہ کہ لمبا سفر ہو،اس میں نماز قصر کرنے، جماعت ترک کرنے اور روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔دوسری یہ کہ دو چار میل کا سفر ہو،اس میں قصر کی اجازت تو نہیں دی گئی ہے مگر جماعت چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔اب اگر کوئی دو چار میل کے تفریحی سفر میں بھی تکلیف محسوس کرے،یا روزہ چھوڑ دے یا نماز قصر کرنے لگے یا اس کے لئے کوئی قانون وضع کرے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۲:مرض:

یعنی مرض کی حالت میں بھی بعض اسلامی احکام کو مؤخر کیا گیا ہے اور بعض ممنوع چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔مثلاً اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے۔وضو کے بجائے تیمّم کرے۔اگر نجاست دور کرنے پر قادر نہ ہو تو نجاست ہی کی حالت میں نماز پڑھ لے،اسی طرح شرمگاہ کا کھولنا حرام ہے،مگر ضرورت کے وقت طبیب کو دکھا سکتا ہے،سنکھیا،تاڑی،شراب کھانا پینا حرام ہے،مگر جان بچانے کے لئے دواء کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۳:اکراہ:

یعنی کسی کو مجبور کر کے کوئی حرام کرا لیا جائے۔لیکن ہر مجبوری شریعت میں معتبر نہیں ہے بلکہ وہ مجبوری معتبر ہے جس میں جان و مال یا عزت وآبرو کو خطرہ لاحق ہو۔مثلاً اگر قتل کی دھمکی دے کر جھوٹ بلوا لیا جائے یا اور کوئی معصیت کرالی جائے تو شریعت میں یہ فعل قابلِ ملامت نہیں ٹھہرے گا۔

۴:نسیان:

یعنی بھول کر غلط کام کر بیٹھے،مثلاً روزہ میں بھول کر پانی پی لے۔کسی دوسرے کی چیز غلطی سے اپنی سمجھ کر استعمال کر لے،تو اس پر ملامت نہیں کی جائے گی،لیکن نسیان کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں اس کو غلطی کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔مثلاً احرام کی حالت میں مردوں کیلئے سلا ہوا کپڑا پہننا ناجائز ہے اب اگر کوئی بھول کر پہن لے تو یہ حرام شمار کیا جائے گا اور اس کے بدلہ میں ایک قربانی کرنا پڑے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵: جہل:

یعنی آدمی جس بات کو نہ جانتا ہو، اس میں جاننے تک رعایت کی جائے گی، بشرطیکہ وہ اپنی جہالت دور کرنے کی کوشش بھی کر رہا ہو۔ مثلاً کسی کو نماز پڑھنا نہیں آتی، نہ اس کو دعائیں یاد ہیں اور نہ ظاہری ارکان ادا کرنے کا سلیقہ رکھتا ہے مگر مسجد میں آ کر نمازیوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور لوگوں سے پوچھ کر نماز کی دعائیں بھی یاد کرتا ہے تو اس کو قانوناً نمازی ہی شمار کیا جائے گا۔ اور اس کو نہ ملامت کی جائے گی اور نہ سزا دی جائے گی۔ جہل پر اس حیثیت سے بھی علماء نے بحث کی ہے کہ جن بندگانِ خدا تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے ان سے قیامت میں باز پُرس ہوگی یا نہیں۔ جمہورِ اُمت کی رائے ہے کہ بعثتِ نبویؐ کے بعد اب عدم علم کوئی عذر نہیں ہے۔ مگر کچھ محققین کی یہ رائے ہے کہ ان تک جب تک دعوتِ اسلامی نہ پہنچ جائے، ان کا عذر قابلِ قبول ہوگا۔

۶: عام ابتلا:

یعنی وہ ناجائز چیزیں جن سے آدمی بالکل بچ ہی نہ سکتا ہو، مثلاً عموماً راستوں، گلیوں اور سڑکوں وغیرہ پر جانوروں کے پاخانے، پیشاب اور دوسری گندگیاں پڑ جاتی ہیں، گو عام حالت میں گلیوں اور سڑکوں سے گذرتے وقت چھینٹیں وغیرہ نہیں پڑتیں مگر بارش کے زمانے میں جو شخص بھی گذرے گا اس کے کپڑوں پر گندی چیزیں ضرور پڑیں گی، چونکہ یہ عام ابتلا ہے جس سے بچنا انتہائی دشوار ہے اس لئے اگر کوئی شخص کپڑے پر ان چھینٹوں کی موجودگی میں بھی نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی، البتہ اگر کوئی چوتھائی سے زیادہ اس کا کپڑا اس میں ڈوب گیا ہے تو اس کو کپڑا بدلنا ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بازار میں سودا خریدنے جاتا ہے اور اس کی نظر اچانک کسی غیر محرم عورت پر پڑ جاتی ہے تو اس کی پہلی اچانک نظر معاف ہے کیونکہ اس میں وہ بالکل بے بس ہے اس لئے اس کو ہم فاسق اور گنہگار نہیں کہہ سکتے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس وقت تو بغیر قصد کے دوسری تیسری نگاہ بھی معاف ہونی چاہیئے اس لئے کہ سواریوں کی بہتات کے زمانہ میں اگر آدمی غضِ بصر نیچی نگاہ سے کام لے تو پھر کسی حادثہ کا شکار ہو جائے گا۔ اسی طرح عورتوں کی تصویروں کے دیکھنے اور گانوں وغیرہ کے سننے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ ہی نہیں سکتا، آدمی گوشۂ تنہائی میں بیٹھا کیوں نہ ہو جب تک کان اور آنکھ بند نہ کر لے اس سے محفوظ رہنا مشکل ہے۔

اسی طرح اسلام میں خرید و فروخت کا اصلی طریقہ تو یہ ہے کہ سودا بھی سامنے ہو اور قیمت بھی اسی وقت دے دی جائے، لیکن چونکہ ادھار خرید و فروخت ایک ناگزیر تمدنی ضرورت ہے اس لئے اس کی اجازت دے دی گئی ہے۔

۷: نقص:

یعنی کسی شخص میں کوئی فطری یا طبعی کمی ہو جس کی وجہ سے وہ شرعی حکم کی تعمیل میں معذور ہو تو اس صورت میں وہ شخص قابلِ عفو ہوگا۔ مثلاً پاگل بچے، مجبور یا مسافروں اور عورتوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے کیونکہ فطری اور طبعی طور پر ان دونوں کے لئے یہ پابندی مشقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلب ہوگی۔

غرض یہ کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انسان کو جو طبعی یا تمدنی عوارض پیش آجاتے ہیں شریعت میں ان کی رعائتیں موجود ہیں، المشقة تجلب التیسیر کا اصول ان ہی حالات کے لئے ہے۔ شریعت میں جو آسانیاں اور تخفیفیں دی گئی ہیں، ان کے سلسلہ میں چند باتیں اور ملحوظ رکھنی چاہئیے۔

ا: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ فقہانے جو رعائتیں اور سہولتیں دی ہیں وہ خود ان کی وضع کردہ نہیں ہیں بلکہ وہ سب کتاب وسنت کے اصولی احکام کے تحت دی گئی ہیں۔ فقہاء نے یہ کیا ہے کہ ان کے سامنے جونئی صورتیں پیش آئیں انہوں نے کتاب وسنت کے تحت ان کوان پر قیاس کیا۔ اس میں ان سے غلطیاں بھی ہوئیں مگر کوئی غلطی ایسی نہیں رہی کہ اس پر دوسرے فقیہ نے متنبہ نہ کردیا ہو۔

۲: دوسری بات یہ کہ جو آسانیاں اور تخفیفیں دی گئی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی مشقت ودقت کی وجہ سے کسی حرام چیز کے استعمال کی اور کسی حلال چیز کے ترک کی مستقل صورت پیدا کی گئی ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان صورتوں میں اگر عارضی طور پر کوئی شخص کسی حرام چیز کا ارتکاب کرلے یا کوئی حلال چیز ترک کردے تو اتنی دیر تک جب تک وہ عارض موجود ہے اس کا گنہگار، قابلِ ملامت اور سزا کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا ورنہ حرام اپنی جگہ پر حرام اور حلال اپنی جگہ پر حلال ہی باقی رہے گا۔

۳: تیسری بات یہ کہ دقتیں اور مشقتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جن میں کوئی شرعی حکم مؤخر کیا جاسکتا ہے، یا ایک کے بجائے دوسری صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔

دوسری وہ مشقتیں اور دقتیں جن کو بہر صورت برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ مثلاً سردی کے زمانہ میں وضو کرنا، گرمی میں روزے رکھنا، حج کے لئے سفر کی زحمت اٹھانا، روپے خرچ کرنا، جہاد کے لئے صعوبت برداشت کرنا، جان ومال کو خطرے میں ڈالنا، حرام ذریعۂ رزق کو چھوڑنا، قاتل سے قصاص لینا، زانی کو رجم کرنا، چور کا ہاتھ کاٹنا اور باغیوں کی سرکوبی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کی بجا آوری میں اگر اس زمانہ میں کچھ لوگوں کو دقتیں محسوس ہوتی ہیں تو جس زمانہ میں یہ احکام نافذ کئے گئے اس زمانہ میں بھی لوگوں نے دقتیں محسوس کی تھیں۔ مگر جن دنیوی واخروی فوائد کے پیشِ نظر ان احکام کو نافذ کیا گیا تھا ان ہی فوائد کے پیشِ نظر آج بھی ان کو نافذ کیا جانا چاہیئے۔ اگر کسی کو اسلامی احکام میں مشقت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس دائرہ سے نکل تو سکتا ہے مگر اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس میں رہتے ہوئے ہر اس اسلامی حکم میں ترمیم شروع کردے، جو اس کی خواہش نفس کے خلاف ہو اور جس میں اس کی آسان پسند طبیعت دشواری محسوس کرتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے المشقة تجلب التیسیر کو چند اور قاعدوں سے مقید کردیا ہے۔

المشقة والحرج انما یعتبر فی موضع لانص فیه واما مع النص فلا یعتبر . (الاشباه والنظائر)

مشقت اور تنگی کا اعتبار وہاں کیا جائے گا، جہاں کتاب وسنت کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو، لیکن مشقت وحرج کے تقاضے کے خلاف کتاب وسنت کا تقاضہ ہو تو پھر اس مشقت کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح عموم بلوی کے بارے میں عام طور پر یہ خیال ہے کہ جو برائی بھی عام ہو جائے اور اس میں عام لوگ مبتلا ہو جائیں تو پھر وہ برائی، برائی نہیں رہتی۔ اس غلط فہمی کو بھی فقہا نے دور کر دیا ہے۔ امام صاحب کا یہ قول اصولِ فقہ کی کتابوں میں منقول ہے کہ: **ولا اعتبار عنده بالبلوى في موضع النص** . امام صاحب کے نزدیک جہاں نص موجود ہو وہاں عام ابتلاء کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

مقصد یہ ہے کہ اگر کتاب وسنت کی حرام کردہ کسی چیز کو عام طور پر حلال سمجھ لیا جائے۔ یا ان کی حلال کردہ کسی بات کو حرام قرار دیا جائے اور عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں تو اس عام ابتلا کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ کتاب وسنت میں جو چیزیں حرام ہیں وہ حرام ہی رہیں گی اور جو حلال ہیں وہ حلال ہی رہیں گی۔

یہ بات امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق کہی گئی ہے اس بارے میں صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عموم بلوی کی وجہ سے اگر ضرورت شدیدہ لاحق ہو تو پھر نص میں تخصیص کی جاسکتی ہے۔ عموم بلوی والے مضمون میں اس کی تفصیل ملے گی۔ دوسرے ائمہ بھی اس میں صاحبین کے ساتھ ہیں مگر یہ تخصیص ضرورتِ شدیدہ کی حد تک ہے۔

۳: الضرور یزال:

کوئی تکلیف یا نقصان ہو تو اس کو زائل کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا دونوں اصولوں کی طرح یہ اصول بھی قرآن وحدیث کی ہدایات ہی سے ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی حکم شرعی کی انجام دہی میں غیر معمولی مالی یا جسمانی تکلیف یا نقصان واقع ہوتا ہو تو حتی الامکان اس کا نقصان سے بچانے کی کوشش کی جائے گی۔ ایک بیمار شخص اگر وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس کے مرض میں شدت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس کو تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر ایک شخص ریل سے اتر کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے سامان کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں اس کو ریل کے اندر ہی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ خواہ (بصورتِ مجبوری) بیٹھ کر پڑھنا اور رکوع وسجدہ اشارے سے کرنا پڑے۔

غرض یہ کہ فقہ کا یہ اصول اس حقیقت کے اظہار کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہیں، اس میں انسان کی فطرت کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے، بلکہ یہ احکام اس خلاقِ فطرت نے دیے ہیں جو انسان کی فطری کمزوریوں اس کی تکلیفوں اور اس کے جسمانی وروحانی نقصانات سے پورے طور پر واقف ہے۔

وہ کسی بندے کو تکلیف ونقصان میں ڈالنا نہیں چاہتا، بلکہ اس سے بچاتا ہے لیکن اگر اس کے حکم کی بجا آوری میں کوئی تکلیف یا مشقت یا نقصان نظر آتا ہے تو اس تکلیف ومشقت اور نقصان ہی میں نہ جانے کتنے اجتماعی اور انفرادی فوائد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک شخص حج کا سفر کرتا ہے اس میں جسمانی تکلیف بھی اٹھاتا ہے اور اپنی گاڑھی کمائی کا پیسہ بھی لگاتا ہے مگر اس جسمانی تکلیف کے اٹھانے اور اپنی دولت خرچ کرنے پر وہ اس لئے لئے مجبور ہوتا ہے کہ اس میں بے شمار انفرادی واجتماعی وروحانی فوائد مضمر ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ، نماز اور جہاد وغیرہ کو سمجھنا چاہیئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی شرعی حکم کی تعمیل میں ان کو کوئی تکلیف یا نقصان ہوتا ہے تو اس کو ساقط کر دینا چاہیئے۔ تو اس سے اس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ اسی لئے فقہاء نے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھ دیا ہے کہ نہ تو نقصان کی تلافی دوسرے نقصان سے کی جا سکتی ہے اور نہ ہر عمرو بکر کے نقصان کا لحاظ کیا جائے گا۔ بلکہ مخصوص افراد کے نقصان سے اگر عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو مخصوص افراد کو اس نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام ۔ عام نقصان سے بچنے کے لئے خاص نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔

یعنی اگر سودی کاروبار کے بند کرنے میں کچھ لوگوں کا نقصان واقع ہوتا ہے، یا حکومت کو کچھ دقتیں پیش آتی ہیں تو اس نقصان کو دوسرے طریقہ سے پورا کرنا چاہیئے اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس نقصان کی تلافی سودی کاروبار جاری کر کے کی جائے کیونکہ سودی کاروبار کا جاری رہنا، نہ رہنے کے مقابلے میں معاشرہ وحکومت دونوں کے لئے مادی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے زیادہ مضر اور نتیجہ کے اعتبار سے نقصان دہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی معاملہ میں چند افراد کا نقصان ہوتا ہے مگر اس نقصان سے عام معاشرہ کا فائدہ ہو تو اس خاص نقصان کو برداشت کرنا پڑے گا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی محاذِ جنگ پر کفار مسلمان بچوں کو بطور ڈھال استعمال کریں اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی گولیوں اور تیروں کا نشانہ مسلمان بچے بن رہے ہیں، تب بھی ان کو نشانہ بنانے سے باز نہ آنا چاہیئے، گو اس سے ہر مسلمان کو تکلیف ہوگی، مگر یہ تکلیف اس لئے برداشت کرنی پڑے گی کہ چند بچوں کا جانی نقصان پوری اسلامی فوج کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ تو یہ ضررِ خاص عام سے بچنے کے لئے برداشت کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کسی شاہراہِ عام پر کوئی ایسا خدوش مکان ہو جس کے گر جانے کی صورت میں لوگوں کے مالی یا جسمانی نقصان کا اندیشہ ہو تو اسلامی حکومت اس کو گرا سکتی ہے، حالانکہ اس کو کسی کی ملکیت پر دست درازی کا حق حاصل نہیں ہے، لیکن اس خاص نقصان کو اس لئے برداشت کیا جائے گا کہ اس سے عام نقصان اور تکلیف کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی معلم بچوں کے اخلاق کو بگاڑتا ہے، کوئی جاہل ڈاکٹر مریضوں کی جان سے کھیلتا ہے چند تاجر جوسٹہ بازی اور ذخیرہ اندوزی کر کے ملک میں گرانی پیدا کرتے ہیں تو ان تمام اشخاص پر اسلامی حکومت یہ پابندی عائد کر سکتی ہے کہ وہ اپنے پیشے اور کاروبار سے باز نہ آجائیں۔

۴: الاصل فی الشیٔ الاباحه : ہر چیز اصلاً اباحت ہے۔ فقہاء کے اس اصول سے یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی ہو اس کے استعمال میں اباحت ہے۔ اس لئے اگر ہر حرام چیز کو اس کی اصل پر باقی رکھتے ہوئے مباح سمجھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ہمارے جدید فقہاء نے اس اصول کے سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے۔ یہ اصول اصل میں اس حقیقت کے اظہار کے لئے واضع کیا گیا ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء کی تخلیق خالقِ کائنات نے انسان کے فائدہ کے لئے کی ہے اگر ان کو ان کے فطری حدود کے اندر استعمال کیا جائے تو کائنات کی ہر چیز مباح اور مفید ہے۔ لیکن انسان خود ان کو بگاڑ کر اپنے لئے مضر بنا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر انگور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو لیجئے۔اس کے اندر خدا نے کتنی لذت و لطافت رکھی ہے۔اس کے مباح و حلال ہونے میں کسی کو شبہ ہوسکتا ہے۔مگر جب اس انگور کو انسان نے بگاڑ کر شراب بنالی، تو خدا نے اس کو حرام کردیا۔مگر اس شراب کی اصل یعنی انگور کے بارے میں شریعت نے یہ وضاحت کردی کہ وہ اپنی جگہ پر اسی طرح مباح ہے، اس کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں آیا، فرق جو کچھ آیا ہے انسان کے غلط تصرف اور اس کے نشہ آور ہو جانے کی وجہ سے آیا ہے۔

اسی طرح مٹی پوری انسانی آبادی کا مشترک اور مباح سرمایہ ہے لیکن اگر کوئی احمق اس سے دانہ اُگانے کے بجائے اسے کھانا شروع کردے تو اسلام اس کے کھانے کو حرام قرار دے گا۔اٹامک انرجی کی دریافت خدا کا ایک عطیہ ہے لیکن اگر اس کو پُر امن استعمال کرنے کے بجائے انسانیت کی ہلاکت کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ مباح چیز حرام ہو جائے گی۔

لیکن اگر کسی چیز کے اندر اباحت کے ساتھ حظر (ممنوع) کا پہلو بھی جمع ہو جائے تو پھر ترجیح ہوگی اور اباحت کو نظر انداز کردیا جائے گا ۔ابوبکر جصاص نے اپنی اصول فقہ میں بار بار لکھا ہے کہ:

اذا اجتمع سبب الحظر والا باحة كان الحكم للحظر دون الا باحة . جب اباحت اور حظر (ممنوع) دونوں کے اسباب جمع ہو جائیں تو ممنوع کو ترجیح ہوگی، اباحت کو نہیں۔

مذکورہ بالا اصولوں کے ساتھ فقہاء کے ان اصولوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے:

وراء المفا سد اولیٰ من جلب المصا لح اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام (الاشباه).

زیادہ بہتر ہے جب کسی چیز کے حلال وحرام ہونے میں دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرام مغلوب رکھا جائے گا۔

یعنی اگر ایک چیز کے استعمال میں فائدہ بھی ہو اور نقصان بھی تو فائدہ کو نظر انداز کر کے نقصان مفسد اور مضرت رساں پہلو کو سامنے رکھا جائے گا۔اور اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔شراب، جواء اور سود فوائد سے خالی نہیں مگر چونکہ ان کے فوائد کے مقابلہ میں مفاسد اور مضرت زیادہ ہیں، اس لئے خداتعالیٰ نے ان کو حرام قرار دیا۔

ويسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما .

آپ سے شراب اور جواء کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں مگر ان کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

اسی طرح اگر کسی چیز کے حلال وحرام ہونے میں ہمیں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو حرام ہی سمجھنا چاہیئے کیونکہ حلال امر ہے اور حرام نہی اور شریعت میں امر کی تعمیل سے بڑا درجہ یہ ہے کہ جس چیز کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے اس سے رک جایا جائے۔صاحب الاشباہ لکھتے ہیں

لان الاعتبار في الشرع بالنهيات اشد من اعتنائه بالمامورات .

شریعت نے مامورات کے مقابلہ میں منہیات کا زیادہ لحاظ واعتبار کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی بناپر نبی کریم ﷺ نے مشتبہات تک سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ یہ حرام کے قریب کردینے کا سبب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدانے جس بات سے روکا ہے اس سے رک جانا عبادت سے زیادہ افضل ہے۔

حضرت عثمانؓ سے کسی نے پوچھا کہ دوایسی لونڈیوں کو جوآپس میں سگی بہنیں ہوں ساتھ رکھنا جائز ہے یانہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ ایک آیت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیت سے حلت مگر فاالتحریم احب الینا تحریم والی آیت ہمیں زیادہ پسند ہے۔

فقہاء کے مذکورہ اصولوں کی ان ہی کی زبان سے جو وضاحت لی گئی ہے کیااس کے بعد بھی کہنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ یہ اصول ضرورت ومصلحت، وقت وتکلیف کے وقت حرام کوحلال اور حلال کوحرام یاممنوع کومباح کوقرار دینے کے لئے وضع کیے گئے ہیں۔

اوپر کتاب وسنت اور فقہاء کے اصول سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں کتاب وسنت کے متفقہ اسلامی احکام ہی کو ماخذ بناکران کاحل تلاش کرنا چاہیئے، نہ یہ کہ ان احکام ہی کواجتہاد کاہدف بناکران کوتبدیل کردینا چاہیئے۔ اب خلفائے راشدین کے عام طرزعمل پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیئے۔ جس سے انداز ہوجائے گا کہ وہ زندگی کے بڑے مسائل ہی میں نہیں بلکہ چھوٹے اور معمولی مسئلوں میں بھی کتاب وسنت کی پیروی ہی پر زور دیتے تھے اور اسی کواپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ اگران کے دوچار فیصلے کتاب وسنت کے خلاف نظر آتے ہیں اور جن کو ہمارے نئے مجتہدین اپنے مفروضات کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، توان کے بے شمار فیصلے اوران کی زندگی کا پوراطرزعمل اس بات پر شاہد ہے کہ کتاب وسنت کاحکم معلوم ہوجانے کے بعدانھوں نے اپنے بہت سے کئے ہوئے فیصلے بدل دیئے ہیں اور پھر غیر معمولی باتوں ہی میں نہیں بلکہ وہاں بھی جہاں مسلمانوں کی حیات وذلیست کا مسئلہ درپیش تھا۔ انھوں نے یہ توضرور کیا کہ کسی حکم کے دوپہلوؤں میں سے ایک پہلوکوترجیح دی ہے یاکسی حکم کوشرعی مصلحت کے تحت مؤخرکردیامگراسکی ایک پہلوکوترجیح دی ہے، یاکسی حکم کوشرعی مصلحت کے تحت مؤخرکردیا ہے، مگراس کی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی کہ انہوں نے کسی صریح متفق علیہ حکم کوکسی شرعی دلیل کے بغیر محض مصلحت وضرورت کے تحت بدل دیا ہو، یامؤخرہی کردیا ہو۔

دارمی نے میمون بن مہران کے واسطہ سے حضرات ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کا طرزِعمل ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

اذا وردالخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بہ بینھم فقضی بینھم و ان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک الا مر سنة فقضی بھا فان اعیاہ خرج فسئال المسلمین وقال اتا فی کذا و کذا فھل علمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی ذالک بقضاء فر بما اجتمع علیہ الخبر کلھم یذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ قضاء فیقول ابوبکر الحمد اللہ الذی جعل فینا من یحفظ علینا دیننا . ۱۰

جب ان کے سامنے کوئی اختلافی معاملہ آتا تواس کافیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ میں غور کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں حکم مل جاتا تواسی کے مطابق فریقین کے درمیان فیصلہ کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حکم نہیں ملتااور سنتِ نبویؐ میں مل جاتا تواس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کتاب اللہ میں اس کا کوئی حکم نہیں ملتا اور سنت نبویؐ میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کتاب وسنت دونوں میں اس کا حکم نہ ملتا تو ادھر اُدھر جا کر عام مسلمانوں سے دریافت فرماتے تھے کہ اگر کسی کو اس طرح کے معاملہ میں نبی ﷺ کے کسی فیصلہ کا علم ہو تو بتائے۔ چنانچہ ایسا اوقات متعدد آدمی آ کر اس بارے میں سنت نبویؐ کی اطلاع دیتے تو آپ یہ فیصلہ پا کر فرماتے اتھے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے آدمی پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے لئے ہمارے دین کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں ایک عورت آئی جو اپنے پوتے کے ترکہ سے حصہ چاہتی تھی۔ آپؓ نے اس سے کہا کہ کتاب اللہ میں تیری وراثت کا ذکر نہیں ہے، نہ میرے علم میں نبی ﷺ کا کوئی اسوہ ہے جس سے پتہ چلتا کہ آپؐ نے دادی کو پوتے کے ترکہ سے حصہ دیا ہو۔ تم اس وقت جاؤ میں دوسرے اصحاب نبی ﷺ سے دریافت کروں گا چنانچہ آپؓ نے عام صحابہ سے اس بارے میں دریافت فرمایا حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے نبیؐ کے اس فیصلے کی اطلاع دی کہ آپؐ نے پوتے کے ترکہ سے دادی کو میراث دی تھی حضرت صدیق اکبرؓ نے دوسرے صحابہؓ سے پوچھا کہ کسی اور شخص کو بھی اس کا علم ہے محمد ابن مسلمہ انصاریؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کی تائید کی حضرت صدیقؓ نے اس سنت نبویؐ کے مطابق اس عورت کو میراث دلوائی نبی کریمؐ حضرت اسامہؓ کی سرکرگی میں ایک فوج رومیوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کیلئے بھیجنا چاہتے تھے کہ آپؐ کی وفات ہوگئی حضرت صدیقؓ جب خلیفہ تھے ہوئے تھے تو انھوں نے اس فوج کو روانہ کرنا چاہا۔ عام صحابہ بعض مصالح کے پیش نظر اس کے مخالف تھے۔ مگر حضرت صدیقؓ نے اصرار کیا اور عام صحابہ سے فرمایا کہ جس حکم کو نبی کریم ﷺ نافذ فرما گئے ہیں، میں اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ اس طرح جب آپ نے مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کیلئے فوج روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بھی عام صحابہؓ نے مخالفت کی حتیٰ کہ حضرت فاروقؓ بھی اس میں آپ کے ساتھ نہ تھے۔ انہوں نے آپ کو باز رکھنے کیلئے نبی اکرم ﷺ کا یہ قول بھی پیش کیا کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کلمہ لاالـہ الااللـہ پڑھ لیا، اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہوگیا۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ جن کی نظر اس حکم کے ہر پہلو پر تھی، انہوں نے دلیل کا جواب اسی دلیل سے یہ دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی تو فرما دیا تھا **الابحق اسلام** یعنی کلمہ لاالـہ پڑھنے کے بعد آدمی کا جان ومال ضرور محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اگر اسلام کا کوئی حق ہوگا تو اس کے جان ومال کی حفاظت باقی نہیں رہے۔ اور یہاں یہی صورت ہے۔ کہ یہ لوگ اسلام کے ایک اہم حق کو ہڑپ کر جانا چاہتے ہیں غور کیجیے کہ ان میں بعض امور مثلاً جنگ وغیرہ ایسے ہیں جن کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف سے اجازت ہے کہ موقع ومحل کا جو تقاضا ہو، اسی کے مطابق عمل کیا جائے مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے محض مشتبہ خطرات ومصالح کی وجہ سے فیصلہ نبویؐ کو بدلنا مناسب نہیں سمجھا۔

حضرت عمرؓ کے جن فیصلوں کو ان کی روح کو سمجھے بغیر تبدیلی احکام کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اجتہاد کے بارے میں ان کا طرز عمل اور انکی وہ ہدایتیں ملاحظہ ہوں جو مملکت اسلامیہ کے امراء کو وقتاً فوقتاً روانہ فرمایا کرتے تھے۔ قاضی شریح کو آپ نے جو ہدایت نامہ بھیجا تھا اس میں سب سے پہلی بات یہ تھی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذاحضرک امر لابدمنہ فانظر مافی کتاب اللہ فاقض بہ فان لم یکن فبماقضی بہ الرسول ﷺ فان لم یکن فبماقضی بہ الصالحون وائمۃالعدل فان لم یکن فاجتھدبرائک.

جب تمہارے سامنے کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں رائے دینا ضروری ہو تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملے تو پھر سنت نبوی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر سنت نبوی بھی خاموش ہو تو صلحاء اور ائمہ عدل نے اس طرح کے معاملہ میں جو فیصلہ کیا ہو اس کو سامنے رکھو۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر غور و فکر کر کے اجتہاد کرو۔

اس سے بھی زیادہ مفصل ہدایت آپؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو روانہ فرمائی تھی جو اس وقت عراق کے امیر تھے۔ یہ ہدایت نامہ اتنا جامع ہے کہ اس سے فقہاء نے سینکڑوں احکام کا استنباط کیا ہے۔ اس کا پورا متن ماخذ شریعت کے سلسلہ میں ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

ایک بار کچھ لوگ حدیث نبویؐ کا تذکرہ کر رہے

(۱) اعلام الموقعین ج ا ص ۹۸ ومفتاح الجنہ ص ۳۲ تھے ایک شخص نے کہا کہ یہ تذکرہ چھوڑو، کتاب اللہ کا ذکر کرو۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور فرمایا کہ احمق حدیث نبویؐ تو قرآن کی تفسیر ہے اس کو چھوڑنے کو کہتا ہے۔

ان القرآن احکم والسنۃ تفسرہ (ترجمہ) قرآن اصول دیتا اور سنت اس کی تفسیر کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار فرمایا کہ اگر میں اپنی رائے کے مقابلہ میں نبی کریمؐ کی رائے کو رد کر سکتا تو صلح حدیبیہ کے دن رد کر دیتا۔ جب ایک طرف کفار کی قید سے گردن چھڑا کر ابوجندل پابہ زنجیر رسولؐ کی خدمت میں آ کر پناہ کی درخواست کی، مگر کفار نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور آپؐ انہیں واپس کر رہے تھے۔ دوسری طرف کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ معاہدہ کے سرنامہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے باسمک اللھم لکھا جائے گو میں اس معاہدہ سے متفق نہیں تھا مگر آپؐ نے جب یہ فرمایا کہ جب میں راضی ہوں تو تم کو اس کی مخالفت نہ کرنی چاہیے۔ تو پھر میں نے آپؐ کے ارشاد کے سامنے گردن نیاز جھکا دی

حضرت عمرؓ نے ایک دیت کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ دیت مقتول کے قریبی ورثہ کو ملے گی۔ بیوی کو اس میں سے حصہ نہ ملے گا، لیکن جب ایک صحابی کی ضحاک بن سفیان کلابی نے آپ کو مطلع کیا کہ نبی کریمؐ نے اُشیم ضبابی کی عورت کو شوہر کی دیت سے حصہ دیا تھا تو آپؓ نے فوراً رجوع کر لیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ جنین کے ضائع کر دینے کا مسئلہ سامنے آیا۔ آپ نے لوگوں سے اس بارے میں سنت نبوی دریافت کی۔ ایک صحابی مالک بن نابغہ نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا کہ میں میرے دو بیویاں تھیں، جن میں ایک حاملہ تھی، دوسری بیوی نے کسی بات پر حاملہ بیوی کو ایک چھڑی ماردی، جس سے جنین پیٹ میں مر گیا۔ جب یہ معاملہ خدمت نبویؐ میں گیا تو آپ نے دوسری بیوی سے اس کا تاوان دلایا۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ فیصلہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ: ان کدنا تقضیٰ فیہ برائنا .

اگر ہم یہ فیصلہ نہ سنتے تو قریب تھا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخاری میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ابتدائے خلافت میں مجوسیوں پر جزیہ عائد نہیں کیا تھا، لیکن جب ان کو علم ہوا کہ رسولؐ نے ہجر کے مجوسیوں پر جزیہ لگایا تھا، تو اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور جزیہ عائد کر دیا۔ اسی طرح غسل جنابت، تکبیر جنازہ اور استلام حجر اسود وغیرہ میں اپنی رائے کے مقابلہ میں سنت نبوی کو ترجیح دی جو لوگ کتاب وسنت سے بے پرواہ ہو کر محض اپنے اجتہاد اور قیاس سے دینی مسائل رائے دیتے ہے ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

اصحاب الرائے اعداء السنن اعتیهم الاحادیث ان یحفظوها وقفلتت منهم ان یعوهاوا ستحیو احین سئلوا ان یقولو الانعلم فحارضوالسنن برائیهم فایاکم وایاهم۔

اپنی رائے پر عمل کرنے والے سنت دشمن ہیں وہ احادیث نبوی کی حفاظت سے بھی عاجز رہے اور وہ انکے احاطہ علم میں بھی نہ سکے تو ان سے کوئی سوال کیا جاتا تو ان کو شرم محسوس ہوتی کہ یہ کیسے کہیں کہ ہم کو اس کا علم نہیں اس لئے سنت کے بارے میں اپنی رائے سے اٹکل بچو بات کہہ دی تو تم اس بات سے بچو اور انکو اس سے بچنا چاہیئے۔

غور کیجئے کہ جس نے زندگی بھر خود ہر معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی پیروی کی ہو اور ان کے مقابلہ میں اپنی سینکڑوں رائیوں اور اجتہاد کو بدل دیا ہو اور پوری امت کو صراط مستقیم پر چلانے کی کوشش کی ہو، اس کے بارے میں یہ کہنا کتنی بڑی جسارت ہے کہ اس کے بعض فیصلے کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے خلاف ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے جن معاملات میں کتاب وسنت کے مقابلہ میں اپنے فیصلے بدلے ہیں وہ محض عقائد وعبادت ہی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ وہ زیادہ تر سیاست ومعیشت اور معاشرت سے متعلق ہے۔ جن کے بارے میں جدید مجتہدین کا ارشاد ہے کہ زندگی کے یہ شعبے تو خالص دنیاوی یا غیر تعبدی ہیں اس لئے ان میں ہمیں کتاب وسنت کی پیروی ضروری نہیں ہے ان میں کتاب وسنت کی ہدایات حکم کا درجہ نہیں بلکہ محض مشورہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

بعض اجتہادی مسائل میں بعض صحابہ حضرت عثمانؓ سے اختلافات رکھتے تھے مگر وہ چونکہ کتاب وسنت کے موافق سمجھتے تھے اس لئے ان پر آخر وقت تک عمل کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ اس شخص کو سزا دیتے تھے جو عدت کی حالت میں کسی عورت سے نکاح کر لیتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ قرآن میں عدت کی حالت میں نکاح کی ممانعت آئی ہے تو پھر اس کی مخالفت کرنے والے کو سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ حضرت عثمانؓ کی نگاہ اس پہلو پر تھی کہ اگر کتاب وسنت کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا نہ دی جائے تو پھر اس کے تمام احکام تسخر بن کر رہ جائیں گے۔ اگر قرآن کا یہ حکم محض مشورہ کی حیثیت رکھتا تو حضرت عثمانؓ بھی اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا نہ دیتے۔

ایک بار حج کے موقع پر کسی نے رکن یمانی کو بوسہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے دیکھا تو فرمایا کہ تم نے کریم کو اس کا بوسہ دیتے دیکھا ہے، بولا نہیں۔ فرمایا تو پھر آپ ہی کی اقتدا کرو۔

کتاب وسنت کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شدت ضرب المثل ہے۔ ان کا مشورہ مقولہ ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(عربی)لو کان الدین بالرای لکان باطن القدمین احق بالمسح من ظاهر هما وقد مسح النبی ﷺ ظهر خفیه.

اگر دین کا دار و مدار محض رائے وقیاس پر ہوتا تو پیر کے اوپر کے حصہ کے بجائے نیچے کے حصہ کا مسح کرنا ضروری ہوتا کیونکہ گرد وغبار اور گندگی زیادہ تر نچلے حصہ میں لگتی ہے مگر چونکہ نبی کریمؐ موزہ کے اوپر کے حصہ پر مسح کیا ہے اس لئے اوپر ہی کرنا ضروری ہے۔

فرماتے تھے کہ اگر کسی حدیث نبویؐ کے الفاظ سے متعدد معنی نکلتے ہوں تو اسی پہلو کو اختیار کرو، جو ہدایت اور تقویٰ کے قریب ہو۔ غور کیجئے کہ جو لوگ ادنیٰ باتوں میں بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ دامن نہیں چھوڑتے تھے حتیٰ ان امور میں بھی کتاب وسنت کی پیروی کرتے تھے جن میں ان کو آزادی دی گئی تھی، ان کے بارے میں یہ کہنا کتنی ڈھٹائی کی بات ہوگی، کہ انہوں نے اپنے بعض فیصلوں میں قرآن وسنت کی مقرر کردہ حرام وحلال کی قیود کو بھی توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے، آدمی کی زندگی کے پورے طرز عمل کو نظر انداز کر کے اس کی چند باتوں کو توڑ مروڑ کر جب بھی کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے گی تو اس سے ہدایت کے بجائے گمراہی کا راستہ کھلے گا۔

اگر خلفائے راشدین کا کوئی فیصلہ بظاہر کتاب وسنت کے خلاف نظر آتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی پوری تحقیق کر لی جائے کہ ایسا تو نہیں ہے کہ وہ فیصلہ ان کی طرف غلط منسوب ہوگیا ہے۔ جیسا کہ طلاق ثلاثہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی طرف یہ منسوب ہوگیا ہے کہ سب سے پہلے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو طلاق بائن انہی نے قرار دیا۔

حلانکہ خود نبی کریمؐ نے اس کا نفاذ فرمایا تھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک حکم کے جتنے پہلو ہوں ان سب کو وران کے ساتھ ان مصالح کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جن کی بنا پر شریعت نے عارضی طور پر کسی حکم کے مقدم دومؤخر یا تخصیص کرنے کی اجازت دی ہے، اگر اس حیثیت سے غور کیا جائے تو پھر معلوم ہو جایئگا کہ ان کے جتنے فیصلے ہیں وہ کتاب وسنت کے خلاف نہیں بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق ہیں یہ ہمارا قصور فہم ہے کہ ہم ان کے فیصلوں کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکے۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں چوروں کی سزا ملتوی کرادی تھی بظاہر آپ کا یہ فیصلہ حکم قرانی کے صریح خلاف نظر آتا ہے مگر جو لوگ اس میں غور کریں گے ان کو نظر آئے گا کہ جس قحط میں انہوں نے اس حکم کو ملتوی کیا تھا۔ اس میں لوگوں کے فقر وفاقہ کا حال یہ تھا کہ درخت کی پتیاں تک کھاجاتے تھے۔ کیا اس اضطرار کی حالت میں جس میں قرآن نے سوا ور مردار کھانے کی اجازت دی ہے اس میں حضرت عمرؓ قطع ید کی آیت پر عمل کرتے یا اضطرار والی آیت پر، کیا ان کا یہ طرز عمل قرآن کے خلاف کہا جایئگا یا اس کے منشا کے عین مطابق۔ آئندہ صفحات میں خلفائے راشدین کے ان تمام فیصلوں پر بحث کر کے یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ ان کے جو فیصلے اس دور کے مجتہدین کو کتاب وسنت خلاف نظر آتے ہے وہ حقیقتاً ان کی خلاف نہیں بلکہ ان کے منشا کے عین مطابق ہیں

بنو نظیر فدک کی زمین اور مؤلفة القلوب کی مدد:

جن مسائل کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ان میں خلفائے راشدین نے کتاب وسنت کی تصریحات کے خلاف عمل کیا، ان میں سے دو مسئلوں یعنی بنو نظیر اور فدک کی زمین اور مولفة القلوب کی مدد کا تعلق حضرت صدیقؓ کے عہد حکومت سے ہے اسلئے انہی مسئلوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے۔

(۱) بنونضیر کی زمینوں کا مسئلہ:۔ مدینہ میں تین مشہور یہودی قبیلے تھے ان میں یہ بھی تھا۔ اس سے یہ معاہدہ تھا کہ مسلمانوں یا یہودیوں میں سے کسی پر حملہ ہوگا، یا اگر کوئی دیت عاید ہوگی تو اس کی ادائیگی میں دونوں حصہ لیں گے۔ چنانچہ عمر بن امیہ الضمر ی نے دو کافروں کو قتل کر دیا اور ان کی دیت آپ نے ادا کی۔ جب ان سے دیت میں کیلئے کہا گیا تو نہ صرف کہ مدد نہیں کی، بلکہ سازش کی کہ آپ کے اوپر پتھر گرا کر آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں ان کا محاصرہ کیا گیا اور انہوں نے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد اس شرط پر صلح کی کہ ہم مدینہ کے باہر چلے جائیں گے چنانچہ وہ وہ جس قدر مال اسباب لے جا سکتے تھے، وہ لے کر خیبر روانہ ہو گئے۔

(۲) فدک کی زمینوں کا مسئلہ:۔ خیبر کے قریب یہودیوں اور عربوں کی ملی جلی کئی ایسی بستیاں تھیں، جن کے باشندے بڑی بڑی زمینوں اور باغات کے مالک تھے جب ۷ھ میں خیبر کا پورا علاقہ فتح ہو گیا تو وادی القری اور دوسری بستیوں کے لوگوں نے بھی آپ سے صلح کر لی اور انہیں بستیوں میں ایک فدک بھی تھی، جس کا سردار یا سب سے بڑا زمیندار یوشع بن نون یہودی تھا۔ بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے خود صلح کی درخواست کی اور زیادہ تر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے محیصہ ابن مسعود انصاری کو وہاں بھیجا اور ان کی دعوت پر اس سے صلح کر لی۔ صلح میں یہ طے پایا کہ فدک کی زمین و باغات کی پیداوار کا نصف حصہ وہ خود استعمال کریں اور نصف نبی کریم کو دیتے رہیں گے۔ چنانچہ خلفائے راشدین بلکہ حضرت نبی کریمؐ خرچ فرماتے تھے، اس میں ان حضرت نے بھی صرف کیا۔ ذرک کی آراضی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب سے یہ جائداد آپ کے قبضہ میں آئی اس وقت سے وفات تک وہ آپ کے قبضہ میں رہی۔ آپ اس سے اور بنونظیر کی جائداد سے اہل بیت اور ازواج مطہرات کے اخراجات پورے فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی ذاتی ملکیت تھی اسی لئے اپ وفات کے بعد اہل بیت اور بعض ازواج مطہرات نے بحیثیت وارث حضرت صدیقؓ سے اس کا مطالبہ کیا مگر حضرت صدیقؓ نے اس کو ان کو حوالے کرنے سے منع کر دیا ہے۔ اور بیت المال میں داخل کر دیا حضرت صدیقؓ کا یہ اقدام سنت نبویؐ اور قرآن کے قانون وراثت حلاف تھا۔

حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ پر جو بے بنیاد اتہامات لگائے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے جسے ہمارے اہل تشیع حضرت نے بہت زیادہ ہوا دی ہے آئندہ صفحات میں اس کی پوری تفصیل پیش کی جائے گی اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس بارے میں حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کا طرز عمل قرآن وسنت کے بالکل مطابق تھا۔ البتہ جو لوگ اس کا مطالبہ کر رہے تھے وہ اپنی حد سے تجاوز کر رہے تھے، جسے حضرت صدیقؓ نے روکا۔

(۳) اس جائداد کی حیثیت:۔ اسلامی حکومت یا نبی کریمؐ کے طرح سے آئیں، ایک جنگ کے ذریعہ دوسرے صلح و معاہدہ کے ذریعہ جو جائدادیں بغیر جنگ کے آپؐ کے قبضہ میں آئیں ان نے اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا اور اپنی صوابدید سے جہاں مناسب سمجھا خرچ کیا مگر اپنی نگرانی میں رکھنے اور اپنی صواب دید سے خرچ کرنے کا مطلب یہ بالکل نہیں تھا کہ آپ شخصی حیثیت سے اس کے مالک تھے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائدادوں کے حاصل کرنے میں چونکہ عام مسلمانوں کا خون پسینہ نہیں بہا تھا اس لئے خدا نے اسلامی حکومت کے ذمہ دار اور سربراہ کی حیثیت سے آپ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپؐ اپنی صواب دید سے اس آمدنی کو مستحقین پر خرچ کریں۔ مختصر الفاظ میں ان جائداد پر آپؐ کا قبضہ مالکانہ نہیں بلکہ حاکمانہ تھا۔ اس طرح بغیر جنگ کے آپؐ کے قبضہ میں سب سے پہلے جو غیر منقولہ جائداد آئی وہ حضرت مخریق یہودی کے متعدد کھجور کے باغات تھے جن کو انہوں آپؐ کے نام ہبہ کر دیا تھا اور آپؐ نے ان کو عام مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا۔ اس کے بعد مدینہ کے مشہور یہودی قبیلہ بنونضیر کی جائداد آپ کو ۳ھ میں ملی جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے

(عربی) وما افاء الله علیٰ رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل و رکاب ولکن الله یسلّط رسله علی من یشاء۔ سورہ حشر)

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا ہے تو اس کیلئے تم نے تو گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسول کو غلبہ دے دیتا ہے۔

اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر جنگ جو چیزیں حاصل ہوں ان کا مصرف رسول کی صوابدید سے مقرر ہوگا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی آپؐ نے بنونضیر کی جائداد کا کچھ حصہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی کفالت اور اسلامی حکومت کی عام ضرورت کیلئے مخصوص کر لیا اور بقیہ حصہ ان مہاجرین میں تقسیم کر دیا جو اپنا گھربار لٹا کر مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے۔ انصار کے صرف دو ضرورت مندوں کو آپ نے اس سے حصہ دیا۔ جو حصہ آپؐ نے اپنی نگرانی میں رکھا تھا اس میں اہل وعیال کی کفالت کے علاوہ اس کی آمدنی کا ایک اچھا خاصا حصہ جہاد کی تیاری، اسلحہ اور سواری کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔

(۴) فدک کی آمدنی کا مصرف:۔ بنونظیر کی جائداد کی طرح فدک کی زمین بھی صلح ومعاہدوں کے ذریعے حاصل ہوئی تھی اس لئے اس کی آمدنی کا بھی کچھ حصہ آپؐ اپنی لئے مخصوص فرمایا تھا مگر اس کی آمدنی کا بیشتر حصہ مسافروں کی دیکھ بھال اور مہمانوں پر صرف ہوتا تھا، بلکہ بلاذری کے بیان سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی پوری آمدنی مسافروں پر صرف ہوتی تھی

(عربی) وکان یصرف مایا تیه منها الیٰ ابناء السبیل . ترجمہ۔ جو کچھ فدک کی آمدنی ہوتی وہ سب آپؐ مسافروں پر صرف فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ: (عربی) کانت لرسول الله ثلاث صفایا فکانت ارضی بنی النضیر حبساً و کانت لنوائبه وجزاء خیبر علیٰ ثلثة اجزا و کانت فدک لابناء السبیل (اردو) آپ کی ذاتی نگرانی میں تین زمینیں تھیں۔ بنونظیر کی زمین کی آمدنی ناگہانی ضرورتوں کیلئے مخصوص تھی اور خیبر کے تین حصے آپؐ نے کیے تھے جس میں سے ایک حصہ اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا اور فدک کی آمدنی مسافروں کیلئے۔

بہر حال ان میں سے کسی جائداد کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صرف اہل بیت یا ازواج مطہرات کیلئے مخصوص تھی، چنانچہ آپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفات کے بعد اس کو خلفائے ثلاثہ نے بھی اسی طرح باقی رکھا جس طرح آپ کی حیات مبارکہ میں تھا۔حتیٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ، اور حضرت حسنؓ جب مسند خلافت پر بیٹھتے تو انہوں نے بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔اگر وہ خلفائے ثلاثہ کے تعامل کو سنت نبوی کے خلاف سمجھتے تو اس وقت تو ضرور ہی اس میں تبدیلی کر دیتی۔سب سے پہلے اس سنت نبوی کو نبوامیہ نے حضرت معاویہ کے بعد توڑا یعنی انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت بنالیا۔

چونکہ ان جائدادوں سے نبی کریمؐ ازواج مطہرات اور اہل بیت کی کفالت بھی فرماتے تھے اس بنا پر ان کو یہ خیال پیدا کہ یہ جائدادیں آپ کی ذاتی ملکیت ہیں۔اور آپ کی وفات کے بعد لازماً انکوانکی ملکیت میں آنا چاہیے۔اس خیال کے تحت ازواج مطہراتؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ، اور حضرت عباسؓ سب سے اس کی ملکیت ووراثت کا دعویٰ کیا مگر جب یہ حقیقت ان کے سامنے آگئی کہ آپ یہ ملکیت آپ کی ذاتی وشخصی نہیں بلکہ ملکیت حاکمانہ تھی تو وہ اپنے اس خیال سے باز آگئے اور ان کے دل میں پھر ان جائدادوں کا کوئی خیال باقی نہ رہا۔عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ مطالبہ صرف حضرت فاطمہؓ کی طرف سے ہوتا تھا مگر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ مطالبہ تین طرف سے تھا، ازواج مطہرتؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور فاطمہؓ اور ازوزجِ مطہراتؓ کا مطالبہ فدک وخیبر سے متعلق تھا اور حضرت عباسؓ کا بنو نظیر کی جائداد سے متعلق تھا۔عروہ بن زبیر بیان فرماتے ہیں کہ ازواج مطہراتؓ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجنا چاہا تھا کہ فدک وخیبر میں نبیؐ نے جو حصہ اپنی نگرانی میں رکھا تھا ان کا جو شرعی حصہ نکلتا ہو وہ دے دیں۔مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حدیث نبوی کی حصہ روشنی میں ان کو سمجھایا تو ان کی سمجھ میں اس کی جائداد کی حیثیت آگئی اور پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ:

(عربی) ماتتقین اللہ اماسمعتن لا نورث ما ترکنا صدقة اسماھذاالمال لآل محمد لنا ء بتھم وضیفھم فاذامت فھوالیٰ والی الامر بعدی (ازالة الخفاء ج ۲ ص ۳۰)

(اردو) تم لوگ اللہ سے ڈرتی نہیں ہو۔کیا تم نے رسولؐ سے یہ نہیں سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہماری یعنی انبیاء کی چیزوں میں وراثت نہیں چلتی۔ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ خدائی ملکیت ہے میری زندگی میں اس جائداد سے آل محمد کی ناگہانی ضرورتیں اور مہمانوں کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔اب میری وفات کے بعد جو حکومت کا ذمہ دار ہوگا وہ اسکے سپرد ہوگی وہ جہاں چاہے گا خرچ کرے گا۔

عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ اس حدیث نبویؐ کی یاد دہانی کے بعد ازواج مطہرتؓ اپنے مطالبے سے باز رہیں، فاسکن۔بالکل یہی الفاظ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ سے اس وقت فرمائے تھے جب انہوں نے ان سے فدک کی وراثت کا مطالبہ کیا تھا۔سب سے پہلے آپؓ نے یہ حدیث نبویؐ پیش فرمائی۔

(عربی) لانورث ما ترکنا صدقة (اردو) انبیاء کے ترکہ کا کوئی وراثت نہیں ہوتا وہ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ عام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے پھر فرمایا:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(عربی)وانما یاکل آل محمدمن ھذاالمال وانی واللہ لااغیرشیأمن صدقۃرسول ﷺمن حالھاالتی کاکانت علیھانی عھدرسول ﷺولاعملن فیھابماعمل رسول ﷺ(ازالۃالخفاء ج ۲ ص ۳) ایک روایت میں آپؓ سے الفاظ بھی منقول ہیں: رسول ﷺ کے اقربا کو میں اپنے اقربا سے بھی زیادہ محبوب سمجھتا ہوں مگر میں حق کے نفاذ میں کوتاہی نہیں کرسکتا۔ میں نے اس سلسلہ میں نبی ﷺ کو جو کرتے دیکھا ہے وہی کرکے رہونگا، بخاری شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

لست تارکا شیئا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعمل بہ الا انی عملت فانی اخشی بہ والا انی عملت فانی اخشی ان تزکت شیئا من امرہ ان ازیغ ا۔ بخاری حدیث بنی النضیر و کتاب الجھاد باب فرض الخمس.

اس سلسلہ میں جو طرز عمل نبی کریم ﷺ نے اختیار فرمایا اس کو میں چھوڑ نہیں سکتا بلکہ میں وہی کروں گا میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اس معاملہ کے کسی پہلو کو بھی یوں ہی چھوڑ دوں تو خود کج رو نہ ہو جاؤں۔ بنونضیر کی جائداد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے وقت تک اسلامی حکومت کے قبضہ میں رہی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے مطالبہ پر اتنا حصہ جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف ونگرانی میں تھا ان کے حوالے کردی اور یہ تاکید فرمادی کہ اس کہ آمدنی کا مصرف وہی رہے گا جو نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھا مگر آمدنی کی تقسیم میں خود حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا اس لئے ان حضرات نے پھر حضرت عمرؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا، چنانچہ آپ نے معاملہ کی اصلی صورت اور جائداد کی اصلی حیثیت کو ایک بار پھر ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔

''آپ لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ان زمینوں کی آمدنی کبھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے لوگوں کے لئے مخصوص نہیں کی اور نہ ان کو آپ لوگوں کی نگرانی میں دیا۔ اسے آپؐ نے اپنی نگرانی میں رکھا اور اہل وعیال کی کفالت فرماتے رہے۔ اور اس سے جو کچھ بچ جاتا تھا اس کو آپؐ اپنے مصارف میں صرف فرماتے تھے۔''

فیجعلہ یجمل مال اللہ نعمل ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ. اِفی وغنیمت کے مصارف کا تذکرہ آگے آئے گا۔

اور بقیہ کو اس جگہ صرف فرماتے تھے جو خدا نے مقرر کردیے ہیں پوری زندگی آپ اسی طرح پر عمل فرماتے رہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے اس معاملہ کے سلسلہ میں نہ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی گفتگو کی، نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوری مدت خلافت میں اس کا تذکرہ آیا اور نہ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے خود اپنے عہدِ خلافت میں کوئی تبدیلی کی۔

مذکورہ بالا تفصیلات کے بعد کیا یہ کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تعاملِ نبوی کے خلاف کوئی طرزِ عمل اختیار کیا؟ کیا ان کا طرزِ عمل بالکل قرآن کے منشا اور سنتِ نبوی کے موافق نہیں تھا؟ ایک طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن نے آپ کو اس کے تصرف کا اختیار دیا تھا، مگر اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ:

لا یکون دولۃً بین الا غنیاء منکم ۔ تا کہ یہ تمہارے امیروں کے بالکل قبضہ میں نہ چلی جائے اور پھر انہی میں گردش کرتی رہے۔

دوسری طرف آپؐ نے بار بار اعلان فرمایا تھا کہ: ''میں جو کچھ چھوڑ جاؤں گا اس میں وراثت نہیں چلے گی۔ وہ خدا کی چیز (صدقہ) ہے اور اسی کی رہے گی جو حاکمانہ حیثیت سے میرے وارث ہوں گے وہی اس کے تصرف کے وارث ہوں گے''۔

تیسری طرف آپؐ نے کبھی نہ تو ان جائدادوں کی نگرانی اہلِ بیت کے سپرد فرمائی، اور نہ ان کی آمدنی محض ان کے لئے مخصوص کی۔ اگر رسول اللہ ﷺ ان جائدادوں کو اپنی ذاتی ملکیت تصور فرماتے تو اپنی زندگی میں اس کی نگرانی اہلِ بیت کے سپرد ضرور فرما دیتے یا اس بات کی ہدایت فرما دیتے کہ آئندہ یہ جائداد فلاں فلاں کے قبضہ میں یا کم از کم نگرانی میں رہے گی۔ آپؐ نے تو یہاں تک احتیاط فرمائی کہ ان جائدادوں کی آمدنی کی وصولیابی کے لئے بھی کبھی اہلِ بیت کے کسی ایک فرد تک کو نہیں بھیجا۔ آپؐ نے بنو نضیر کی جائداد کا بیشتر حصہ تو عام مہاجرین میں تقسیم کیا مگر اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کو اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی عطا نہیں فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر نہیں بلکہ ہر موقع پر یہ تصور مٹانے کی کوشش فرمائی کہ جس طرح ملوکیت و بادشاہت میں ہر بادشاہ کے اہلِ وعیال و خاندان کے امتیازی حقوق ہوتے ہیں اسی طرح نبی کے جانشینوں کے بھی کچھ امتیازی مادی حقوق ہونے چاہئیں، چنانچہ اسی بناء پر آپؐ نے پورے بنو ہاشم میں زکوٰۃ لینے کو حرام قرار دیا۔ آپؐ نے ان کے لئے کوئی مخصوص مادی سہولت نہیں دی۔ خلیفہ کے انتخاب کو عام مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اگر ذہن میں اس نکتہ کو رکھا جائے تو پھر اس مسئلہ کے سارے اشکالات خود بخود دُور ہو جائیں گے۔ غور فرمایئے کہ ان توضیحات کے بعد اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ان جائدادوں کو اہلِ بیت کے سپرد فرما دیتے تو یہ قرآن وسنت کی موافقت ہوتی یا مخالفت؟

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس پر جمہور اہلِ سنت کا اتفاق ہے البتہ عام طور پر اثنا عشریہ شیعہ علماء اس کو تسلیم کرتے بلکہ وہ اہلِ بیت کا حق سمجھتے ہیں مگر ان میں بھی جو حق پسند علماء ہیں انہوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا بھی مطمئن ہو گئی تھیں اور ان کے دل میں اس بارے میں کوئی خلش باقی نہیں تھی۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ امامیہ کی معرفت کتاب ''منہاج السالکین'' سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے۔''

ولٰکنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقسمھا فیعطی الفقراء والمساکین وابن السبیل بعد ان یوتی منھا قوتکم والصانعین بھا.

لیکن میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ اس جائداد کی آمدنی کو تقسیم کر دیا کرتے تھے اس سے آپ غریبوں کو عنایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے تھے۔اسے مسافروں اور مہمانوں پر صرف فرماتے تھے البتہ اتنی بات مہمانوں پر صرف فرماتے تھے البتہ اتنی بات تھی کہ اہلِ بیت اور ازواج مطہرات اور اس جائداد کی جو لوگ دیکھ بھال کرتے تھے ان سب کا خرچ نکالنے کے بعد پھر ان مصارف میں آپ صرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سننے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ:

افعل فیھا کما کان ابی یفعل (مختصر تحفۃ اثنا عشریہ) آپ ویسا کیجئے جیسا کہ میرے والد کیا کرتے تھے۔

اس روایت کے ساتھ اگر شیعوں کی مشہور و معتبر حدیث کی کتاب ''اصول الکافی'' کی اس روایت کو بھی ملا لیا جائے تو پھر اس مسئلہ میں اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کے نقطہ نظر میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔وہ روایت یہ ہے:

ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یرثوا ولم یورثوا درھما ولا دینارا۔تھوڑے سے اختلافات الفاظ کے ساتھ یہ حدیث اہلِ سنت کے یہاں بھی معتبر ہے۔اصول کافی علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اس لئے کہ انبیاء نہ تو خود مال و دولت کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان چیزوں میں ان کا کوئی وارث ہوتا ہے وہ صرف علم چھوڑ جاتے ہیں اور اس میں ان کے وارث اس علم کے جاننے والے ہوتے ہیں۔

کیا اس کے بعد بھی اس بات کی کوئی اہمیت باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت صدیقؓ کا طرزِ عمل کتاب و سنت کے خلاف تھا؟

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ:

جن دو مسئلوں کا تعلق حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت سے ہے اس میں دوسرا مسئلہ مؤلفۃ القلوب کا ہے۔جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروقؓ کے مشورہ سے اس میں تبدیلی کی۔

قرآن میں زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں۔ان ہی میں ایک مولفۃ القلوب بھی ہیں۔یہ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور غیر مسلم بھی۔مسلمانوں میں وہ سب اس میں شامل ہو سکتے ہیں جنہوں نے جلد ہی اسلام قبول کیا ہو مگر ان کا دل ابھی تک اس پر اچھی طرح جما نہ ہو۔یا تنگ حالی کی وجہ سے ان کا ایمان متزلزل ہو رہا ہو، یا ان کے ذریعہ اسلام کا کوئی بڑا کام انجام پا سکتا ہو۔ایسے تمام لوگوں کی تالیفِ قلب اور تسلی کے لئے زکوٰۃ سے مدد کی جا سکتی ہے۔اسی طرح غیر مسلموں میں جو لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں اور ان کی مالی امداد، دل کے مزید میلان کا سبب ہو سکتی ہو، تو ان کی بھی امداد زکوٰۃ کی رقم سے کی جا سکتی ہے۔اسی طرح ان کے شر سے مسلمانوں کو بچانا ہو تو اس وقت بھی ان کو مالی امداد دے کر مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن ایسے ہی تقریباً تیس بتیس ممتاز مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی مالِ غنیمت سے مدد کی تھی تا کہ اسلام کے خلاف ان کی زبان اور تگ و دو بند ہو جائے۔مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مؤلفۃ القلوب کی مدد بند کر دی۔جس سے عام صحابہ میں سے کسی نے بھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ جس طرح انہوں نے قرآن اور سنت کے ایک متفقہ اور ثابت شدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم میں تبدیلی کی، اسی طرح مسلمانوں کی ہر حکومت کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اگر ضرورت سمجھے تو کسی بھی اسلامی حکم کو منسوخ یا اس میں ترمیم وتبدیلی کرسکتی ہے۔

اس سلسلہ میں تھوڑا سا خلط مبحث ہوگیا ہے جس کی بناپر یہ مسئلہ الجھ بھی گیا ہے اور قابلِ اعتراض بھی بن گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے بعد مؤلفۃ القلوب کی جو عارضی مدد کی تھی، اس کو قرآن کے مستقل مصرف زکوٰۃ کے ساتھ ملادیا گیا ہے، حالانکہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کی جو کچھ مدد فرمائی تھی وہ زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس ۱؎ اس بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے کہ یہ مدد خمس سے دی گئی تھی یا مجموعۂ غنائم سے، مگر اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدد زکوٰۃ کی رقم سے نہیں دی گئی تھی۔ یعنی مالِ غنیمت کے اس حصہ سے کی جس میں خدا نے ۲؎ سورۃ انفال کی ابتدائی آیتوں، پھر اس سورۃ کے چوتھے رکوع اور سورۃ حشر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آگے ان کا مفصل ذکر بھی آئے گا۔

آپ گو اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے یہ اختیار دیا تھا کہ آپؐ اپنی صوابدید سے جس کارِ خیر میں چاہیں صرف کریں۔ چنانچہ آپؐ نے ضرورت سمجھی، اسی لئے اس مد سے ان کی مدد کی، اور آپؐ کی وفات کے بعد یہ اختیار اور حق آپ کے جانشین اور اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت صدیق وفاروق رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منتقل ہوا اور انہوں نے اس کی ضرورت سمجھی، اس لئے وہ مدد بند کردی۔ بہرحال حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جن مولفۃ القلوب کی مدد بند کی تھی وہ انہی کی جن کی آپؐ نے غزوۂ حنین میں خمس سے مدد کی تھی۔ قرآن کے بیان کردہ مصرف سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ کہیں سے ثابت ہے کہ آپ نے اس مصرف کو قیامت تک کے لئے ختم کردیا ہو۔

پھر اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ حنین میں جس میں ۳۰، ۳۲ آدمیوں کو مدد دی تھی، ان میں سے کسی کو نہ تو دوبارہ آپؐ نے مدد دی اور نہ ان کی مدد جاری رکھنے کی تاکید فرمائی اور نہ خود ان لوگوں نے دوبارہ مدد طلب کرنے کی کوشش کی۔ ان میں دو مسلمان اقرع بن حابس وعتیبہ بن حصین ایسے تھے جنہوں نے اس کو اپنا تاحین حیات حیاتی حق سمجھ لیا تھا اور بار بار اس حیثیت سے مدد لینے کی کوشش کی، حالانکہ یہ ایک وقتی مصلحت اور اس وقتی مصلحت کی طرف نبی ﷺ نے اپنی اس تقریر میں ارشاد فرمایا ہے جو آپؐ نے انصار کے سامنے فرمائی تھی اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جو آپ نے ان دونوں صاحبوں کے سامنے فرمائی تھی۔ غزوۂ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں انصار کو جو غلط فہمی ہوگئی تھی اس کے بارے میں آپ نے جو تقریر فرمائی تھی، اس میں مولفۃ القلوب کے بارے میں فرمایا: **ان قریشاً حدیث عهد بجاهلية ومصيبة وانی اردت ان اجزهم واتا لفهم. (بخاری شریف کتاب المغازی)**

قریش کے جن لوگوں کو مدد دی گئی وہ ابھی ابھی سفر سے نکلے اور جنگ کی مصیبت سے دوچار ہوئے ہیں میں نے چاہا کہ ان کو کچھ دے لا کر ان کی تالیفِ قلب کردوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) ابن قیم زادالمعاد میں یہ الفاظ نقل کرتے ہیں:

اوجد تم علی یا معشر الانصار فی انفسکم فی لعاعۃ من الدنیا تالفت بھا قوماً یسلموا دو کلتکم الیٰ اسلامکم . (زادالمعاد)

اے انصار کیا تم کو دنیا کی اس حقیر چیز کے بارے میں غلط فہمی ہوگئی ہے؟ جس کو میں نے لوگوں کو اس لئے دیا ہے کہ وہ اسلام پر جم جائیں اور تمہیں ہم نے تمہارے اسلام کے حوالہ کیا۔

ہنگامی ضرورت کے تحت مالِ غنیمت سے مدد دی گئی تھی۔ پھر نبی ﷺ نے ان کو محض منقولہ اموال سونا چاندی اور جانوروں کی شکل میں مدد دی تھی اور اب انہوں نے غیر منقولہ جائدادوں کا مطالبہ بھی شروع کر دیا تھا۔ غرض یہ کہ نبی ﷺ کے سامنے جو حالات تھے، اُن کے پیشِ نظر آپ نے خمس سے ان کو مدد دینا ہی مناسب سمجھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جو صورتِ حال تھی اس کے پیشِ نظر اسے بند کر دینا ہی انہوں نے مناسب سمجھا۔ اس سلسلہ میں نبی ﷺ نے جو کچھ عمل فرمایا بحیثیت نبی آپ کو خدا کی طرف سے اس کی اجازت تھی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جو روش اختیار کی بحیثیت جانشین نبیؐ ان کو بھی خدا کی طرف سے اس کی اجازت بھی، بہر حال ان میں سے کسی طرزِ عمل کا تعلق قرآن کے بیان کردہ مصرف سے نہیں ہے اور وہ قیامت تک اسی طرح باقی رہے گا۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ قرآن کے مقرر کردہ مصرف مؤلفۃ القلوب اور خمس سے جن لوگوں کو تالیفِ قلب کے طور پر عارضی مدد دی گئی تھی ان دونوں کے آپس میں خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے یہ مسئلہ الجھ گیا ہے اور اسی کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ حضرت صدیقؓ نے قرآن کے ایک صریح حکم میں تبدیلی کی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ خلط مبحث کیسے ہوا اور یہ غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی۔ اس کا بظاہر ایک ہی سبب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مصارف زکوٰۃ والی آیت میں جہاں مؤلفۃ القلوب کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس نے مثال کے طور پر نبی ﷺ کے اس طرزِ عمل کو پیش فرما دیا ہے جو آپ نے غزوۂ حنین میں اختیار فرمایا تھا۔ اس تفسیر کی بنا پر عام لوگوں نے نبی ﷺ کے طرزِ عمل کو اس آیت کی تفسیر سمجھ یہ ۔ رحضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے چونکہ اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار فرمایا۔ اس لئے اس کو کتاب وسنت کے خلاف سمجھ لیا۔ حالانکہ نبی ﷺ کے طرزِ عمل اور حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی روش دونوں کا تعلق خمس سے تھا، زکوٰۃ سے ان کا تعلق سرے سے تھا ہی نہیں چنانچہ امام رازی کی نکتہ رس نگاہ اس خلط مبحث اور تسامح کی طرف گئی اور انہوں نے واضح الفاظ میں لکھا کہ:

ھٰذہ العطایا انما کانت یوم حنین ولا تعلق لھا بالصدقات ولا ادریٰ لا ی سبب ذکر ابن عباس رضی اللہ عنھما ھذہ القصۃ فی تفسیر ھذہ الآیۃ .

یہ عطیے جو حنین کے دن آپؐ نے دیئے تھے ان کا تعلق زکوٰۃ سے قطعی نہیں ہے۔ نہیں معلوم کہ کس وجہ سے حضرت ابنِ عباس نے اس قصہ کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالباً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے موقع ومحل کی تفہیم کے لئے غزوۂ حنین کی مثال دے دی تھی، تاکہ آسانی سے ذہن میں یہ بات آجائے کہ کون سا موقع ومحل ایسا ہے جس میں زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کو مدد دی جاسکتی ہے۔ مگر عام طور پر ان دوتوں کو ایک ہی سلسلہ کی چیز سمجھ لیا گیا جس سے یہ الجھاؤ اور غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان دونوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر کے پھر اس مسئلہ پر غور کیا جائے۔ راقم کے نزدیک ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ غزوۂ حنین کا واقعہ شوال ۸ ھ میں پیش آیا اور مصارف زکوٰۃ والی آیت کا نزول اس کے ڈیڑھ سال بعد یعنی ۹ ھ میں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ آیت کے نزول کے بعد اسے اختیار فرماتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تفسیر پہلے ہو جائے اور آیت کا نزول بعد میں ہو۔

البتہ ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیقؓ وحضرت فاروقؓ نے قرآن کے حکم میں نہ سہی سنتِ نبویؐ میں تو تبدیلی کی۔ مگر یہ سوال اس وقت پیدا ہوسکتا ہے جب آپؐ غزوۂ حنین کے بعد بھی ان لوگوں کو بطور تالیفِ قلب برابر مدد دیتے رہتے، یا یہ ارشاد فرمایا ہوتا کہ ان کی امداد برابر جاری رکھی جائے۔ مگر کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے عملاً یا قولاً اس کے جاری رکھنے کی تاکید فرمائی ہو، بلکہ اس کے برخلاف آپؐ نے غزوۂ حنین کے بعد انصار کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی اس میں واضح طور پر فرمادیا تھا کہ ایک دینی مصلحت کی بناپر وقتی اور عارضی طور پر ان کو یہ مدد دی گئی ہے نہ کہ مستقل۔

اگر حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ نے قرآن کے دیئے ہوئے اختیار اور اس عارضی ووقتی مصلحت کے ختم ہو جانے پر اس امداد کو بند کر دیا تو اس میں کتاب وسنت کی مخالفت کہاں سے نکلی؟ بلکہ یہ طرزِ عمل تو حکمِ الٰہی اور منشائے نبوی کے بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے۔

حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے اس طرزِ عمل کو سمجھنے کے لئے ایک نظر اس گفتگو پر بھی ڈال لینی چاہیئے جو حضرت عمرؓ اور ان دونوں آدمیوں کے درمیان ہوئی تھی، جو مدد طلب کرنے آئے تھے:

''ایک دن حضرت صدیقؓ کے پاس اقرع بن حابس اور عینیہ بن حصین آئے اور یہ درخواست کی کہ ان کو فلاں قطعۂ زمین عنایت کر دیا جائے۔ آپ نے ان کو وہ قطعۂ زمین دے دینا منظور کر لیا اور اس کے لئے ایک سرکاری دستاویز بھی لکھ دی۔ یہ دونوں آدمی غالباً تصدیق کے لئے یہ دستاویز لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ دستاویز پڑھی اور پڑھ کر اس کو چاک کر دیا۔ اس پر یہ لوگ بہت برافروختہ ہوئے اور حضرت عمرؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا مگر حضرت عمرؓ نے نہایت ہی سنجیدگی سے ان سے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ حنین میں تالیفِ قلب کے طور پر تم لوگوں کی مدد اس لئے کی تھی کہ اس وقت اسلام کمزور اور ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں تھا۔ جن میں تم لوگ بھی تھے اور اس وقت اس کو تمہاری رعایت کی ضرورت تھی اور اسی حمایت کے لئے تم کو مدد دی گئی تھی۔

مگر اب خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسلام کو اس سے مستغنی کر دیا ہے۔ (تو اب اس مدد کی بھی ضرورت نہیں ہے) تم لوگ جاؤ اور اپنی کوشش سے اپنی روزی کماؤ۔ خدا تعالیٰ تمہاری رعایت اس وقت تک نہیں کریگا جب تک تم رعایتیں طلب کرتے رہو گے۔''[۲] روح المعانی تفسیر آیت ھٰذا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس گفتگو کے بعد یہ دونوں حضرت صدیقؓ کی خدمت میں آئے اور پورا واقعہ سنایا۔ واقعہ سننے کے بعد حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر یہی نہیں کہ کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ بلکہ جب ان لوگوں نے بطور طنز کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمرؓ۔ تو آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ وہی خلیفہ ہوں گے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی تائید فرمائی۔

حضرت عمرؓ کی اس گفتگو سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے یہ بات واضح کر دی کہ تالیفِ قلب کے طور پر جو مدد دی گئی تھی یہ آئندہ دی جائے گی، وہ عارضی و وقتی ہوگی جب ضرورت سمجھی جائے گی دی جائے گی اور جب ضرورت نہ سمجھی جائے گی تو روک دی جائے گی۔ دوسرے آپ نے یہ تنبیہ کی کہ جن لوگوں کو اس مد سے مدد دی جائے، ان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنا مستقل حق سمجھ کر اسی کے اوپر تکیہ کر لیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو خداوند تعالیٰ ان کو کبھی فارغ البال نہیں کرے گا۔ آپ نے اپنے آخری الفاظ سے ان لوگوں کی اس ذہنیت کی اصلاح کی جو ان مین مفت خوری کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی جس سے یہ خطرہ تھا کہ اسلامی مملکت کے اندر مستقل طور پر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بھی ایسا طبقہ نہ پیدا ہو جائے جو ڈار دھمکا کر اسلامی حکومت سے مدد لیتا رہے اور کسب و محنت سے بالکل بے نیاز ہو جائے، یا ایمان و اسلام سے اپنا رشتہ صرف اس لئے جوڑے رکھے کہ اس سے اس کی مادی منفعت وابستہ ہے۔

ان تفصیلات سے چند باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ [illegible] القلوب کی امداد بند کرنے کا تعلق قرآن کے بیان کردہ مصرف سے نہیں، بلکہ خمس سے تھا۔ جس میں اسلامی حکومت کے سربراہ کو کتاب و سنت کی رُو سے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی صواب دید سے جس جائز مصرف میں چاہے صرف کرے۔

۲:۔ رسول اللہ ﷺ کے امداد بند کرنے کا تعلق قرآن کے بیان کردہ مصرف سے نہیں ہے۔

۳:۔ رسول اللہ ﷺ نے مدد دینے کے بعد ہی عام مسلمانوں کے سامنے یہ واضح فرما دیا تھا۔ کہ یہ مدد ایک وقتی دینی مصلحت کے تحت دی گئی تھی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ جب یہ مصلحت باقی نہ رہے گی اس وقت یہ مدد ختم کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ نے اپنے زمانہ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھی، اس لئے اسے بند کر دیا۔ اگر یہ مستقل مدد ہوتی تو آپ بار بار ان لوگوں کو عنایت فرماتے اور آئندہ کے لئے بھی اس کی تاکید فرما جاتے۔

۴:۔ اسلامی حکومت میں کسی شخص کو، جب تک وہ معذور نہ ہو، اس بات کی اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ مستقل طور پر حکومت کی امداد پر تکیہ کر لے اور کمائی کی جدوجہد چھوڑ دے۔ اس سے ایک بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ چنانچہ جن دو آدمیوں کی مدد حضرت صدیقؓ نے بند کی تھی، ان کو نبی ﷺ نے منقولہ اموال سے مدد دی تھی۔ اس عارضی رعایت سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ غیر منقولہ جائدادیں طلب کرنے لگے تھے۔

۵:۔ اشارۃً کنایۃً بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت صدیقؓ یا حضرت فاروقؓ نے مستقلاً تالیفِ قلب کے مصرف یا خمس سے مؤلفۃ القلوب کی مدد بند کی تھی۔ بخلاف اس کے بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبرقان شاعر اور عدی بن حاتم وغیرہ کو خود حضرت صدیقؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مد سے مدد دی تھی۔

کیا اس تفصیل کے بعد یہ کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ حضرت صدیقؓ وحضرت فاروقؓ نے کتاب یا سنت کے کسی ثابت شدہ حکم میں تبدیلی کی؟

یہاں ایک بات قرآن کے بیان کردہ مصارف کے سلسلہ میں یہ بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ قرآن جن آٹھ مصارف میں صرف کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر موقع پر لازماً ان تمام مصارف میں زکوٰۃ کا روپیہ صرف کیا جائے، بلکہ یہ ضرورت کے تحت صرف کرنے کی ضرورت پیش آجائے اور دوسرے مصرف میں صرف کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ بہر حال یہ امام اور مجلس شوریٰ کی صواب دید پر ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ جو مؤلفۃ القلوب کے مصرف کو ہمیشہ باقی رکھنے کے قائل ہیں، وہ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں:

العامل والمولفة قلوبهم مفقودان فی هذا الزمان بقیت الاصناف الستة فالاولیٰ صرفها الی الستة واما انه یعتبو فی کل صنف منها موول لفظة ان کان موجوداً . (کتاب الام)

عاملین زکوٰۃ اور مؤلفۃ القلوب زمانہ میں مفقود ہیں، صرف چھ قسم کے مستحقین باقی ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ انہی چھ قسموں میں زکوٰۃ کا روپیہ صرف کیا جائے۔ اور یہی حال ان میں سے ہر مصرف کا ہے یعنی جس مصرف کی ضرورت نہ ہوگی اس میں صرف نہ کیا جائے گا، گویا ہر مصرف کے یہ لفظ لگا ہوا ہے کہ اگر وہ موجود ہو۔ قاضی ابوبکر بن احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

ان قوی الاسلام زالوا وان اجتح الیهم اعطوا. (ج ۱، ص ۳۹۵) اسلام جب قوی ہو تو مؤلفۃ القلوب کو مدد نہ دی جائے گی اور جب ضرورت ہوگی ان کو مدد دی جائے گی۔

یعنی اگر حضرت صدیقؓ یا عمر فاروقؓ اپنے زمانہ میں قرآن کے بیان کردہ کسی مصرف میں روپیہ صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتے یا اس میں صرف کرنے کی ضرورت نہ ہوئی تو ان کو اس بات کا بھی اختیار تھا کہ وہ اس میں صرف نہ کرتے۔ اس سے یہ نتیجہ قطعی نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس حکم ہی کو منسوخ کردیا۔ پھر ان حضرات نے جو مدد بند کی تھی وہ خمس وغنیمت کی تھی نہ کہ مصرف زکوٰۃ کی۔

غرض یہ کہ یہاں اجتہاد کرنے نہ کرنے کا کوئی سوال سرے سے تھا ہی نہیں، بلکہ کسی حکم کے نفاذ میں موقع ومحل کے استعمال کا تھا۔

☆☆☆☆☆

بے وقوف ہے

وہ جو آرام طلب اور سست ہو اور ''پانے'' کی امید رکھے۔

وہ جو بیوی سے روزانہ لڑے اور گھر میں ''چین'' کی امید رکھے۔

وہ جو بیماری میں پرہیز نہ کرے اور ''تندرستی'' کی امید رکھے۔

وہ جو بغیر نیکی اور عبادت کے آخرت میں ''ثواب'' کی امید رکھے۔

(مرسلہ: صفدر علی خان)

© rasailojaraid.com